NJESR/ January 2022/Vol-4/Issue-1 E-ISSN-2582-5836

DOI-10.53571/NJESR.2022.4.1.41-51
{Received:30 December 2021/Revised: 20 January 2022/Accepted: 24 January 2022/Published: 26 January 2022}

(1)

ڈاکٹراسماء عزیز
صدر شعبۂ اُردو
ایم.ایچ. پوسٹ گریجویٹ کالج، مُرادآباد

علم وادب کی عبقری شخصیت :
ڈاکٹر شریف احمد قریشی

پڑھیے مگر ضروری نہیں دل نشین ہو
ہر ایک باب میری کتاب حیات کا

درج بالا شعر میں ڈاکٹر شریف احمد قریشی نے اپنی زیست کے نشیب وفراز سے متعلق نہایت سادگی اور برجستگی سے جو اشارے کیے ہیں وہ ہر صاحبِ دل کو متاثر و متجسس کرنے کے لیے کافی ہیں۔ اس شعر کو پڑھتے ہی میرے ذہن میں بھی کئی سوالات گردش کرنے لگے تھے جن میں سے سب سے اہم اور پہلا سوال یہ تھا کہ علم وادب کی عبقری شخصیت ڈاکٹر شریف احمد قریشی کی کتاب حیات کے ابواب دل نشیں ہونے کے علاوہ کیا دلدوز بھی ہوسکتے ہیں۔ آخر وہ کون سے سازگار و ناسازگار اور مساعد و نامساعد حالات تھے جو مذکورہ شعر کی تخلیق کا باعث ہوئے۔ مجھے تاریخ تو یاد نہیں لیکن کچھ عرصہ قبل آل انڈیا ریڈیو لکھنؤ سے ڈاکٹر قریشی کا ایک انٹرویو نشر ہوا جس کے ذریعہ مجھے اُن کی شخصیت وفکروفن کے کچھ گوشوں سے واقفیت ہوئی۔ اس کے بعد رام پور سے شائع ہونے والا رسالہ ماہنامہ بچوں کا ہلال مئی 2001ء شمارہ میرے ہاتھ لگ گیا جس میں صفحہ 13 سے 23 تک ڈاکٹر شریف احمد قریشی سے عبداللہ خالد کی ملاقات کا حال یعنی انٹرویو شائع ہوا تھا۔ مَیں نے اس انٹرویو کے ایک ایک لفظ کا بغور مطالعہ کیا۔ انٹرویو کے کچھ حصّوں نے مجھے بہت متاثر کیا، کچھ حصّوں نے حوصلہ عطا کیا اور کچھ حصّے میرے دل و ذہن پر مرتسم ہو گئے۔

ایک روز میں ڈاکٹر موصوف کی کتاب 'کہاوت اور حکایت' کا مطالعہ کررہی تھی۔ اس کتاب کے آخر میں اُن کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتب کی فہرست پر نظر پڑی۔ غیر مطبوعہ کتب کی فہرست میں اُن کی خودنوشت کا عنوان 'نشیب وفراز' درج تھا۔ اُن کی زندگی کے نشیب وفراز کی مناسبت سے خودنوشت کا نام اس سے بہتر نہیں ہوسکتا۔ خدا کرے یہ خودنوشت جلد منظرِ عام پر آجائے تاکہ اُن کی زندگی کے اہم گوشے بھی نمایاں ہو جائیں اور لوگ اُن سے مستفید ہوں۔

ایک روز اچانک یہ خیال آیا کہ نئی نسلوں کو زمانہ گزشتہ اور عہدِ حاضر کی اُن ہستیوں کے کارناموں سے واقفیت ہونا چاہیے جنھوں نے قوم وادب کی کسی نہ کسی طرح خدمت کی ہے یا جن کے کردار اور کارنامے حوصلہ بخش و مشعلِ راہ ہوسکتے ہیں۔ کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے لیکن مَیں سمجھتی ہوں کہ ہم رفتہ رفتہ اپنے اسلاف کے تابناک کارناموں کو فراموش کرتے جارہے ہیں اور عہدِ حاضر کی اہم شخصیات کے کارناموں سے بھی بے خبر ہیں۔ قحط الرجال کے اس دَور میں خوش قسمتی سے ہمارے درمیان ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو اپنے آپ میں ایک فرد ہی نہیں بلکہ انجمن بھی ہیں۔ ایسے افراد اپنے کارناموں کے سبب ایسے منارۂ نور ہیں کہ جن کی زرّیں شعاؤں نے بے شمار افراد کے ذہنوں کو منوّر کردیا ہے۔ ایسی ہی ایک عبقری شخصیت کا اسم گرامی شریف احمد قریشی ہے جو نہ صرف اسمِ بامسمّٰی ہیں بلکہ کثیر الجہت بھی ہیں۔ انہوں نے اُردو زبان وادب کی جس قدر خدمت کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ وہ بیک وقت محقّق بھی ہیں اور نقاد بھی، مبصّر بھی ہیں اور مضمون نگار بھی۔ شاعر بھی ہیں اور ماہرِ لسانیات بھی۔ انہوں نے فرہنگ نویسی اور لغت نگاری کے میدان میں اس قدر بیش بہا خدمات انجام دی ہیں کہ انہیں 'بابائے فرہنگ' کے لقب سے یاد کیا جانے لگا ہے۔ ایم فل. ڈگری کا مقالہ فرہنگِ روحِ نظیر، پی-ایچ.ڈی. ڈگری کا تحقیقی مقالہ فرہنگ فسانۂ آزاد اور اس کا عمرانی لسانیاتی مطالعہ، فرہنگِ نظیر، رانی کیتکی کی کہانی کی فرہنگ، ڈی.لٹ ڈگری کا تحقیقی مقالہ اُردو کہاوتوں کی جامع فرہنگ اور فرہنگِ فسانۂ عجائب کا شمار اُن کی اہم اور گراں قدر فرہنگوں میں کیا جاتا ہے۔ وہ غیر فرہنگی لغت، فارسی اقوال وامثال، عربی اقوال وامثال، فرہنگِ ریختی اور فرہنگِ تلمیحات کو مرتّب کرنے کے لیے رفتہ رفتہ مواد جمع کررہے ہیں۔ تلمیحاتِ نظیر اکبرآبادی (مع شخصیات)، کہاوت اور حکایت، کہاوت کتھا کوش (ہندی)، باتصویر بچّوں کی کہاوتوں کا مجموعہ چراغ تلے اندھیرا اور ٹیڑھی کھیر (ہندی) بھی اُن کی گراں قدر موضوعاتی

فرہنگیں ہیں۔

فرہنگِ روحِ نظیر اور فرہنگِ فسانۂ آزاد اور اس کا عمرانی لسانیاتی مطالعہ پر جواہر لال نہرو یونیورسٹی نئی دہلی نے بالترتیب ایم.فل. اور پی-ایچ.ڈی. اور اُردو کہاوتوں کی جامع فرہنگ پر ایم.جے.پی. روہیل کھنڈ یونیورسٹی، بریلی نے انہیں ڈی.لٹ. کی ڈگریوں سے سرفراز کیا ہے۔

ڈاکٹر قریشی کے ایم.فل. ڈگری کے زبانی امتحان (Viva) کے ممتحن پروفیسر معین احسن جذبی نے جواہر لال نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی کے شعبۂ امتحانات کو جو خفیہ رپورٹ ارسال کی تھی اُس میں انہوں نے ایم.فل. ڈگری کے بجائے پی-ایچ.ڈی. ڈگری تفویض کرنے کی پُرزور سفارش کی تھی جس کا متن درج ذیل ہے :

I went through the disertation submitted by Mr. Shareef Ahmad Quraishi, Which is the product of his hard sustained labour and tremendous patience. In my opinion the work would not only promote a better understaing of Nazeer but also he immensely useful for researchers engaged in study of the poet.
It is a pity that it has been submitted for the award of the degree of Master of Philosphy whereas in my view the work is meritorious enough to have been considered for the degree of Ph. D.

I can not help congratulating the candidate as well as the supervisor.

مذکورہ کتب کے علاوہ اُن کی کئی گراں قدر تصانیف منظرِ عام پر آچکی ہیں جن میں سے دیدوبازدید، تلمیحاتِ نظیر اکبرآبادی (مع شخصیات)، رام پور میں اُردو افسانہ، رام پور کے چند قلم کار (حصہ اوّل)، فن اور فنکار، رانی کیتکی کی کہانی (مقدمہ)، باقیاتِ کلامِ صابرؔ رام پوری اور شعری مجموعہ تیسری آنکھ نہایت اہم ہیں۔

'دیدوبازدید' اُن 42 تنقیدی تبصروں کا مجموعہ ہیں جو ماہنامہ تیرِ نیم کش مُرادآباد کے مختلف شماروں میں شائع ہو چکے ہیں۔ اس رسالہ کے مدیرِ اعلیٰ ڈاکٹر عارف حسن خاں صدر شعبۂ اُردو ہندو کالج مُرادآباد تھے جنہوں نے اپنے رسالہ کے لیے یہ تمام تبصرے ڈاکٹر قریشی سے لکھوائے تھے۔ ڈاکٹر موصوف کی زبانی مجھے یہ بھی پتہ چلا کہ انہیں ان تبصروں کی اشاعت کا قطعی خیال نہ تھا۔ ایک روز وہ اور ڈاکٹر عارف حسن خاں صاحب بورڈ آف اسٹڈیز کی میٹنگ میں شریک ہونے کے لیے کار کے ذریعہ روہیل کھنڈ یونیورسٹی بریلی جارہے تھے۔ دیگر باتوں کے درمیان ڈاکٹر عارف حسن خاں صاحب نے اُن سے فرمایا کہ تیرِ نیم کش میں شائع ہونے والے آپ کے تنقیدی تبصرے بہت اہم ہیں۔ اگر آپ انہیں یکجا کر کے کتاب کی شکل میں شائع کرادیں تو اُردو کے طلباء، مبصّرین، ناقدین اور ادباء و شعراء کے لیے نہایت سودمند ثابت ہو سکتے ہیں۔ اُس وقت تو انہوں نے بے دلی یا نیم رضامندی یا ڈاکٹر عارف حسن خاں صاحب کی بات رکھنے کے لیے ہاں کر لی مگر ایک مدّت تک اس کی اشاعت کے سلسلہ میں کوئی پیش قدمی نہیں کی۔ جب ڈاکٹر عارف حسن خاں صاحب نے ان سے کئی بار تقاضا یا اصرار کیا تو وہ سنجیدگی سے اس طرف متوجہ ہوئے اور 'دیدوبازدید' کے عنوان سے اس کتاب کو اشاعت کی منزل سے ہم کنار کیا۔

'دیدوبازدید' پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ جن کتابوں پر تبصرے کیے گئے ہیں ان کا تعلّق ادب کی مختلف اصناف سے ہے مگر شعری مجموعوں کی تعداد زیادہ ہے۔ بہ اعتبارِ موضوعات شعری مجموعوں کی تعداد 22، افسانوی ادب سے متعلّق کتب کی تعداد 6، تنقید و تحقیق سے متعلّق کتب کی تعداد 5، تاریخ و تذکرہ سے متعلّق کتب کی تعداد 2، عروض، خاکے اور مضامین سے متعلّق کتب کی تعداد 3 اور جرائد و رسائل کی تعداد 4 ہے۔ بہ اعتبارِ فہرست جن کی ترتیب درج ذیل ہے :

- آئینہ در آئینہ — سیّد معجز حسین سنبھلی
- اچھا ساتھی (بچّوں کا ماہنامہ) — سراج الدّین ندوی (مدیر)

➤ ادب،خواتین اور سماج	ڈاکٹر صادق ذکی
➤ اُردو گلڈ	ساحل احمد
➤ اقبالیاتِ آزاد	ڈاکٹر اسداللہ وانی
➤ اکتساب واحتساب	الطاف حُسین ندوی
➤ اکرام	دلدار ہاشمی، ریاض بجنوری، نذیر فتح پوری
➤ اوراق العروض	ڈاکٹر صابر سنبھلی، ڈاکٹر عارف حسن خاں
➤ بڑا آدمی	محسن علی
➤ بزمِ ادب (خواتین کا جریدہ)	راشدہ خلیل (ایڈیٹر)
➤ پیاسے پنچھی	زیڈ ایم خان
➤ تکنیک کا تنوع: ناول اور فسانہ میں	ممتاز شیریں
➤ تین موسم پت جھڑ کے، جھوٹا ساون ایک	محسن علی
➤ حُسنِ غزل	منزل لوہاٹھیری
➤ خدنگِ جستہ	عزیز احمد (مرتب: مناظر عاشق ہرگانوی)
➤ خودشناسی	عتیق آفریدی
➤ دانشور گپتا رضا: ایک مطالعہ	اعجاز سیمابی
➤ دعوتِ صد نشتر	ظہیر غازی پوری
➤ دھوپ کچھ کم تھی	ساحل احمد
➤ رباعیاتِ محروم	تلوک چند محروم
➤ روپیوں کا پیڑ	رشید انور
➤ روشنی لہولہو	ساحل احمد
➤ زخموں کے گلاب	شید ابدایونی
➤ زرد موسم	کیفی سنبھلی
➤ سبز موسم کی صدا	ظہیر غازی پوری
➤ سنگھاردان	شموئل احمد
➤ سوندھی مٹی کے بُت	اقبال متین
➤ شعر	اکرم نقاش

- شمالی ہندی کی اُردو شاعری
  میں ایہام گوئی — ڈاکٹر حسن احمد نظامی
- عکسِ قلم — عالم قریشی
- فصلِ آگہی — سلیم انصاری
- کمالِ بہ کمال — کالی داس گپتا رضا
- گولیار کا صد سالہ شعری ادب:
  پتھروں کے شہر میں — شکیل گوالیاری
- لایعلمون — ساحل احمد
- لبرٹی (سہ ماہی) — انور شیخ (مدیر)
- لمس کا سورج — رمیش کنول
- مٹھی میں آسمان — مہتاب پیکر اعظمی
- رمُوز — آشا پربھات
- نشاطِ آگہی — عبدالمتین جامی
- نکہتِ رقصاں — ساجد حمید
- نوائے اِمروز — ناوک حمزہ پوری
- نیرنگِ معانی — تلوک چند محروم

اس کتاب میں شامل تمام کتب و رسائل کے تبصرے اُن روایتی تبصروں سے مختلف ہیں جو اخبارات و رسائل میں اکثر شائع ہوتے رہتے ہیں۔ بیشتر تبصرے کتاب سے متعلق معلومات فراہم کرتے ہیں اور مصنف، مرتّب یا مترجم کی تعریف و توصیف پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس کتاب میں شامل تبصرے زیرِ تبصرہ کتاب سے متعلق معلومات بھی فراہم کرتے ہیں، فن پارے کی خوبیوں پر روشنی بھی ڈالتے ہیں اور خامیوں کی طرف بھی متوجہ کراتے ہیں۔ 'دید و باز دید' کے تنقیدی تبصروں سے ثابت ہے کہ ڈاکٹر قریشی صاحب کسی قلم کار کی شخصیت، شہرت، ناموری اور ادبی قد و قامت سے نہ تو متاثر ہوتے ہیں اور نہ مصلحت سے کام لیتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ تبصرہ اور تنقید کا حق اُسی وقت ادا ہو سکتا ہے جب کسی فن پارے کا تجزیہ غیر جانب داری سے کیا جائے اور اُس کے محاسن و معائب کی نشاندہی اس نظریہ سے کی جائے کہ لوگ مستفید بھی ہوں اور اُس کی روشنی میں فنکار اپنے فن پاروں کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کریں۔

ڈاکٹر شریف احمد قریشی کی ایک دستاویزی کتاب کا نام 'رام پور میں اُردو افسانہ' ہے جسے رام پور رضا لائبریری نے 2009ء میں نہایت اہتمام سے شائع کیا ہے۔ یہ کتاب تزئین کاری کا بہترین نمونہ ہے اور چند خوب صورت اور دیدہ زیب کتابوں میں سے ایک ہے۔ اس کتاب میں رام پور کے 33 افسانہ نگاروں کے 40 افسانوں کی شمولیت ہے۔ اس میں اُن افسانہ نگاروں کو بھی شامل کیا گیا ہے جو ایک عرصہ سے رام پور میں مقیم ہیں اور رام پور ہی کو اپنا وطنِ ثانی سمجھتے ہیں۔ ایسے افسانہ نگاروں کو بھی اس مجموعہ میں جگہ دی گئی ہے جن کا آبائی وطن رام پور ہے مگر وہ بہ سلسلۂ کسبِ معاش یا دیگر وجوہات کی بنا پر دوسرے شہروں میں آباد ہو گئے ہیں یا ہجرت کر کے پاکستان کی شہریت اختیار کر لی ہے۔ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکی ہوں کہ اس مجموعہ میں 33 افسانہ نگاروں کے 40 افسانوں کو شامل کیا گیا ہے۔ ان میں سے 7 افسانہ نگار وہ ہیں جنہوں نے منی کہانیاں یا افسانچے لکھے ہیں۔ اس طرح یہ مجموعہ 33 افسانوں اور 7 افسانچوں پر مشتمل ہے۔ تمام افسانہ نگاروں کو ان کی تاریخِ پیدائش کی زمانی ترتیب کے اعتبار سے مجموعہ میں جگہ دی گئی ہے۔ ہر افسانہ نگار کے افسانہ سے پہلے تقریباً دو تین صفحات میں افسانہ نگاروں کا تعارف، ادبی کارنامے اور اُن کے فکر و فن پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے بعد افسانہ کی کہانی یا مرکزی خیال کو اسکیچ کے ذریعہ واضح کیا گیا ہے۔ کتاب میں شامل بیشتر اسکیچ ڈاکٹر قریشی کے پسرِ ارجمند شہپر شریف کے بنائے ہوئے ہیں۔ فہرست میں ہر افسانہ نگار کے نام اور افسانہ کے عنوان کے سامنے افسانہ نگار کی چھوٹی سی تصویر بھی شائع کی گئی ہے جو اپنے آپ میں

دل کش جدّت بھی ہے اور اپنی مثال آپ ہے۔ البتہ اُن تین خواتین افسانہ نگاروں کی تصویر کی جگہ ایک مربّع بنا دیا گیا ہے جو تصاویر کی اشاعت کی قائل نہیں ہیں جن کے اسمائے گرامی طاہرہ سیّد، انجم بہار شمسی اور نصرت شمسی ہیں۔

رام پور میں اُردو افسانہ: ایک جائزہ کے عنوان سے پیش لفظ اور فنکاروں کی حیات و نگارشات کو پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ رام پور صرف شعر و شاعری کا مرکز نہیں ہے بلکہ مختلف علوم و فنون کے ساتھ افسانوی ادب کا بھی قابلِ قدر گہوارہ ہے۔ اس کتاب سے متعلق کچھ اور خامہ فرسائی کرنے کے بجائے ڈاکٹر محمد اطہر مسعود خاں کے ایک مضمون 'ڈاکٹر شریف احمد قریشی کی دستاویزی کتاب رام پور میں اُردو افسانہ' کا درج ذیل اقتباس پیش کر رہی ہوں جو اس کتاب کی اہمیت و افادیت کی وضاحت کے لیے قلم بند کیا گیا ہے۔

> ''ڈاکٹر شریف احمد قریشی نے اس کتاب کا انتساب ڈاکٹر وقار الحسن صدیقی کے نام کیا ہے اور اوّلین صفحات میں ''تشکر و امتنان'' کے عنوان کے تحت ان سبھی حضرات کا شکریہ ادا کیا ہے جو اس کتاب کی ترتیب کے محرک اور مدد و معاون رہے۔ اس کے بعد مرتّب نے ایک سیر حاصل مقالہ بھی تحریر کیا ہے جس میں فنِ افسانہ نگاری، افسانہ کی تکنیک، افسانہ نگاری کے اصول و ضوابط، افسانے کی خوبیاں، رام پور میں اردو افسانہ کی ابتدا، اس کا پھیلاؤ اور اس کی وسعت، رام پور میں اردو افسانہ کی تحریک، رام پور کے افسانہ نگاروں کا جائزہ اور تعارف، ان کے افسانوں کی فنی خوبیاں اور ان کی مقبولیت نیز ان افسانہ نگاروں کی دیگر ادبی سرگرمیوں کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ کتاب اس مقالہ کے بغیر ادھوری رہے گی تو غلط نہ ہوگا۔
>
> یہ کتاب اس لیے بھی سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو کے افسانوی ادب میں رام پور نے کیا تعاون دیا ہے۔ یہاں کے افسانہ نگاروں نے اردو افسانہ میں کیا اہم رول ادا کیا۔ یہ کتاب اس وجہ سے بھی دستاویزی حیثیت کی حامل ہے کہ رام پور کے افسانوی ادب سے متعلق کوئی کتاب اب تک منظر عام پر نہیں آئی تھی۔ اس لیے علاقائی ادب اور رام پور کے افسانوی ادب کے تعلق سے اوّلیت کا سہرا ڈاکٹر شریف احمد قریشی کے سر رہے گا۔ انہوں نے کتاب کی ترتیب اور مواد کی فراہمی میں جو محنتِ شاق اور بے پناہ کوشش کی ہے وہ کتاب کی ایک ایک سطر سے ظاہر ہے۔ اس کتاب میں رام پور میں اردو افسانے کے ماضی کے تذکرے کے ساتھ حال کی افسانہ نگاری کا بھی سیر حاصل جائزہ پیش کیا گیا ہے نیز مستقبل میں افسانوی ادب کو رام پور کے افسانہ نگاروں سے کیا توقعات وابستہ ہیں، اس سلسلے میں بھی بے لاگ رائے پیش کی گئی ہے۔ اس طرح کتاب ''رام پور میں اردو افسانہ' رام پور کے افسانہ کی سمت و رفتار کو متعین کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔''

ڈاکٹر قریشی کے مضامین و مقالات کے پہلے مجموعہ کا نام 'فن اور فنکار' ہے جس میں اُن 22 قلم کاروں کی حیات و خدمات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے جن کا تعلق رام پور سے نہیں ہے۔ اس مجموعۂ مضامین کو قلم کاروں کی تاریخِ ولادت کے اعتبار سے مرتّب کیا گیا ہے جن کے عنوانات بالترتیب مندرج ہیں:

- حق بنارسی اور عناصرِ حق گوئی
- آثر انصاری اور ان کی غزل گوئی
- فکشن نگار محسن علی کی دو نگارشات
- عالم قریشی اور عکسِ قلم
- منزل لوہاٹھیری حُسنِ غزل کے آئینے میں
- حضرتِ نصیر نیازی کی شاعرانہ عظمت
- ڈاکٹر کھیشر پردیپ: ایک مُنفرد و معتبر افسانہ نگار
- احساساتِ انجم فرخ آبادی اور وادیٔ احساس
- عقیل احمد خاں کی خود نوشت یادوں کا سفر
- ساغر وارثی کی غزل گوئی: ارتقا کی روشنی میں
- ڈاکٹر وقار صدیقی: ایک سنجیدہ و باوقار شاعر

- ڈاکٹر صابر آسنبھلی کی نعتیہ شاعری
- ڈاکٹر عارف حسن خاں: شخصیت اور شاعری
- نصیر نا داں: ایک مسلّم الثبوت شاعر
- شاعرِ لمحات: ڈاکٹر یونس غازی
- عثمان جوہری اور اُن کے شعری جواہرات
- ڈاکٹر ایم۔نسیم اعظمی بحیثیت ایک شاعر
- ڈاکٹر جاوید نسیمی اور خواب آسمانوں کے
- مینا نقوی کا شعری مجموعہ 'سائبان'
- کامیاب اور منفرد افسانہ نگار: ڈاکٹر مشتاق احمد وانی
- ڈاکٹر عابد حسین حیدری: بحیثیت ایک محقق و ناقد
- ڈاکٹر محمد شاہد پٹھان: غزل کے مزاج داں

فہرست کے بعد 4 صفحات متعلقہ قلم کاروں کی رنگین تصاویر سے مزین ہیں۔ان تصاویر کے آخر میں ایک تصویر ڈاکٹر قریشی ،ایک تصویر اُن کے فرزند شہپر شریف کی ہے جن کے نام اس کتاب کا انتساب اس لیے کیا گیا ہے کہ انہوں نے 2014ء میں ایم.اے.اُردو میں 84.33 فی صد نمبر حاصل کر کے ایم. جے. پی. روہیل کھنڈ یونی ورسٹی، بریلی میں اوّل مقام حاصل کیا ہے۔

'فن اور فنکار' کے وجود میں آنے کا سبب ڈاکٹر قریشی نے 'حرفِ آغاز' میں اس طرح بیان کیا ہے :

> ''فن اور فنکار میرے منتخب مضامین کا پہلا مجموعہ ہے۔اگر چہ اس مجموعہ میں شامل تمام مضامین کا تعلق کسی خاص موضوع سے نہیں ہے پھر بھی یہ ایک معنوی وحدت سے وابستہ ہیں یعنی یہ سب فنکاروں کی ذات وصفات اور اُن کی نگارشات کے تبصرے ہیں۔مجھے یہ اعتراف کرنے میں ذرا بھی ہچک نہیں ہے کہ اس کتاب میں شامل بیشتر مضامین متعلقہ فنکاروں یا اُن کے احباب کی فرمائش اور اصرار کا نتیجہ ہیں البتہ کچھ مضامین از خود لکھے ہیں۔ دراصل بیشتر مضامین مجموعوں کے مقدمات اور کتابوں کی تقریظات کے لیے لکھے ہیں اور بعض مضامین شعری مجموعوں کے لیے شرما حضوری میں بھی لکھنا پڑے ہیں، بعض مضامین کسی رسالہ کے خاص نمبر، سیمینار، ادبی تقریب یا کسی کتاب کی رسم اجراء کے موقع پر پیش کرنے یا پڑھنے کی ضرورت کے تحت قلم بند کیے ہیں۔ بہ زبانِ میرا سے اس طرح بھی کہا جا سکتا ہے کہ مضامین کا یہ مجموعہ ہوا نہیں ہے، کیا گیا ہے بلکہ کرایا گیا ہے۔''

ڈاکٹر شریف احمد قریشی کی ایک اہم کتاب کا نام 'تلمیحاتِ نظیر اکبرآبادی مع شخصیات' ہے جس میں انہوں نے نظیر اکبرآبادی کے کلام میں استعمال کی گئی تلمیحات کو نہایت محنت و جاں فشانی سے نہ صرف یکجا کیا ہے بلکہ اُن سے متعلق قصص و حکایات کو آسان زبان میں بیان بھی کیا ہے۔اُردو کے بیشتر شعراء کی طرح نظیر اکبرآبادی نے صرف اُردو ،عربی اور فارسی زبان کی تلمیحات کو اپنے کلام میں نظم نہیں کیا بلکہ سنسکرت اور ہندی زبانوں میں مستعمل دیو مالائی تلمیحات کو نہایت سلیقہ سے اپنے کلام میں نگینوں کی طرح جڑ دیا ہے۔ڈاکٹر ثوبان سعید نے اپنے ایک مضمون 'تلمیحاتِ نظیر اکبرآبادی: ایک تاثر' میں اس حقیقت کا اظہار اس طرح کیا ہے :

> ''نظیر کی شاعری میں ہندوستانی عناصر اور مقامی رنگ و بو کی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔اس کتاب میں کل تین سو تیرہ (۳۱۳) تلمیحات کا ذکر کیا گیا ہے، جن میں عربی تلمیحات کی تعداد ایک سو سرسٹھ (۱۶۷)، فارسی کی تعداد تیس (۳۰)، ہندی کی تعداد ایک سو چھ (۱۰۶) اور متفرق تلمیحات کی تعداد کل دس (۱۰) ہے۔اس تقسیم سے یہ اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں معلوم ہوتا کہ ہندی تلمیحات سے بھی نظیر نے اپنے کلام کو خوب مزین کیا ہے۔''

اُردو کے مشہور و معروف محقق و ناقد ڈاکٹر ظہیر علی صدیقی اپنے ایک مضمون 'ڈاکٹر شریف احمد قریشی کی کتاب تلمیحاتِ نظیر اکبرآبادی کا مختصر جائزہ' میں 'تلمیحاتِ نظیر اکبرآبادی مع شخصیات' کے بارے میں اس طرح رقم طراز ہیں :

> ''مذکورہ کتاب (تلمیحاتِ نظیر اکبرآبادی مع شخصیات) کو اس موضوع پر شائع ہونے والی دوسری کتب سے جو چیز مابہ الامتیاز کرتی ہے وہ

اس کا اہم مواد ہے ۔اس کتاب میں دیو مالائی کہانیوں کی اصطلاحات ،عصری قصوں کی تلمیحات، فارسی ،عربی اور ترکی الفاظ کے معانی، وقوعِ محل کے ساتھ تلمیحات کے پس منظر، تلمیحات کی وضاحت اور ان کی تاریخ نہایت تحقیق وتلاش کے بعد تحریر کی گئی ہے ۔"

ڈاکٹر شریف احمد قریشی کی پہلی تین کتابیں فرہنگ ہیں ۔ دوسرے موضوعات کی تصانیف کے ساتھ اُن کی کئی فرہنگیں منظرِ عام پر آچکی ہیں اور کئی فرہنگیں زیرِ اشاعت یا زیرِ ترتیب ہیں جس سے ظاہر ہے کہ وہ بنیادی طور پر فرہنگ نویس ہیں ۔اُن کا خیال ہے کہ اُردو کی بہت سی داستانوں، مثنویوں ،مرثیوں اور شعراء وادباء کی دیگر نگارشات میں ایسے بہت سے اقوال وامثال ،تلمیحات واصطلاحات ،محاورات و الفاظ بھرے پڑے ہیں جو کسی بھی کتابِ لغت میں شامل نہیں ہو سکتے ہیں۔ قدیم فنکاروں اور شعراء وادباء کی نگارشات کی تفہیم کے لیے فرہنگ سازی ضروری ہے ۔اسی طرح اُردو سے متعلق علاقائی بولیوں پیشہ وروں اور جدید علوم وفنون سے متعلق اصطلاحات کی فرہنگیں مرتّب کی جانا چاہئے ۔اُردو کے اس بیش بہا خزانے کو محفوظ کرنے کے لیے وہ اپنی کتاب 'فرہنگِ نظیر' کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں :

"......اب تک شائع ہونے والی اُردو کی تمام لغات اور فرہنگیں اُردو ادب میں بکھرے ہوئے تمام الفاظ، محاورات ،ضرب الامثال، روزمرّہ ،اصطلاحات اور تلمیحات کا احاطہ کرنے میں قاصر نظر آتی ہیں ۔دراصل یہ کام کسی ایک کے بس کا نہیں ۔اگر اُردو کے تمام ادیبوں اور شاعروں کے کلام، علاقائی بولیوں اور پیشہ وروں کی اصطلاحوں کی فرداً فرداً فرہنگیں مرتّب کی جائیں تو اُردو الفاظ واصطلاحات وغیرہ کا ایک کثیر سرمایہ محفوظ ہوسکتا ہے اور کسی ادیب یا شاعر کے کلام کو سمجھنے میں آسانی بھی ہوسکتی ہے ۔" صفحہ 13

درج بالا مقاصد کے مدِّنظر ڈاکٹر شریف احمد قریشی نے متعدّد ادباء وشعراء کی نگارشات کی فرہنگیں مرتّب کی ہیں ۔انہوں نے مخمور اکبرآبادی کی تصنیف 'روحِ نظیر' میں شامل نظیر اکبرآبادی کے کلام کی فرہنگ 'فرہنگِ روحِ نظیر' کے نام سے اور کُلّیاتِ نظیر مرتبہ عبدالباری آسی واشرف علی ،کُلّیاتِ نظیر مرتبہ اظہر راحی ،کُلّیاتِ نظیر مرتبہ سلیم جعفر اور روحِ نظیر مرتبہ مخمور اکبرآبادی میں شامل نظیر اکبرآبادی کے تمام کلام کی فرہنگ کو 'فرہنگِ نظیر' کے نام سے مرتّب کر کے بے شبہ اہم کارنامہ انجام دیا ہے ۔وہ نظیر اکبرآبادی کے کلام کی فرہنگ کی اہمیت وضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے نظیر کے کلام کی خصوصیت اپنے مخصوص اسلوب میں اس طرح بیان کرتے ہیں :

"نظیر کا کلام ہندوستانی زبان خصوصاً مقامی بولیوں اور اصطلاحات سے بھرا پڑا ہے ۔آج اُردو ادب وتہذیب کی اُن بنیادی اصطلاحات کو ہم بھولتے جارہے ہیں جو اُردو ادب کی نمائندگی کرتی ہیں ۔شادی بیاہ کے پُرانے رسوم متروک ہو گئے ،عورتوں کے پُرانے زیوروں اور اُن کے کپڑوں کے نام اب کتنے لوگ جانتے ہیں، پُرانے کھیل تماشوں اور پیشوں سے اب کس کا تعلّق رہا ہے ۔ چوسر، گنجفہ اور پچیسی وغیرہ کا شوق کہاں رہ گیا؟ طوائفوں کے کوٹھے ویران ہو چکے ہیں، کسبیاں اور ڈومنیاں نہ جانے کہاں روپوش ہوگئی ہیں؟ بھانڈ بھگتیے اور شہدے در در کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں، نان بائیوں کا تندور اُلٹ گیا ہے، بھٹیارے نہ جانے کہاں بھٹک گئے ہیں؟ بٹیر بازی، مُرغ بازی، کبوتر بازی اور نہ جانے کتنی بازیاں کب کی مات کھا چکی ہیں، تیراک نہ معلوم کہاں ڈوب گئے ہیں؟ پُرانی آتش بازیاں سرد ہو چکی ہیں ۔فقیر، ٹھگ، دلاّل، دُکان دار اور میلے ٹھیلے والے اپنی پرانی بولیوں کو بھول چکے ہیں ۔اُردو ادب کی ان مخصوص بولیوں اور اصطلاحوں کو یکجا کر کے محفوظ کرنا ہماری اہم ذمہ داری ہے ۔نظیر کا کلام اس قسم کی نہ جانے کتنی اصطلاحات سے بھرا پڑا ہے ۔" صفحہ 14

ڈاکٹر شریف احمد قریشی کی ایک نہایت اہم فرہنگ کا نام 'فرہنگِ فسانۂ آزاد اور اس کا عمرانی لسیانیاتی مطالعہ' ہے جس پر جواہر لال نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی نے انہیں ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگری سے سرفراز کیا ہے ۔پنڈت رتن ناتھ سرشار کی کتاب 'فسانۂ آزاد' زبان وبیان، مکالمہ نگاری، کردار نگاری، منظر نگاری اور جذبات نگاری کے اعتبار سے تو منفرد اہمیت کی حامل ہی نہیں ہے بلکہ اپنے عہد کی لکھنوی ماحول، طرزِ معاشرت، تہذیب وثقافت کی بھی آئینہ دار ہے ۔سرشار نے اپنی اس تصنیف کے ذریعہ اُردو زبان وادب کو بے شمار اصطلاحات ومحاورات عطا کیے ہیں ۔عہدِ سرشار کی زبان اور تہذیب ومعاشرت کے مطالعہ کے لیے 'فسانۂ آزاد' کا مطالعہ ناگزیر ہے جس کا اظہار ڈاکٹر شریف احمد قریشی نے اس طرح کیا ہے :

"سرشار کا 'فسانۂ آزاد' ہندوستانی زبان، اصطلاحات اور مقامی بولیوں سے بھرا پڑا ہے ۔اس کے مطالعہ سے ایک صدی قبل کے ہندوستان خصوصاً اُردو داں طبقہ اور اودھ کی تہذیبی، سماجی اور تمدّنی زندگی کی جھلک نمایاں طور پر ملتی ہے ۔کہیں چوک بازار کی چہل پہل ہے تو کہیں قلفی والے، گنڈیری والے اور چنے پرمل والے نظر آتے ہیں، کہیں مصاحبوں سے نوک جھونک ہو رہی ہے تو کہیں مکتب خانہ میں مولوی صاحب کی خبر لی جا رہی ہے ۔کہیں بی بھٹیاری سے چسکی لے لے کر گفتگو ہو رہی ہے تو کہیں حقہ پلانے والوں اور سقّوں کی آوازیں اور کٹورے بجنے کی صدائیں گونجنے لگتی

ہیں ۔کھانوں کا ذکر آتا ہےتو اَن گنت کھانوں کے خوان سجنے لگتے ہیں ۔آموں کا بیان آتے ہی طرح طرح کے ناموں کے آموں کے ڈھیر لگ جاتے ہیں ۔شراب کا سرور چڑھتا ہےتو نہ جانے کون کون سی شرابیں لُنڈھائی جانے لگتی ہیں ۔پتنگ بازی کا شوق چرایا تو نہ جانے کتنے اقسام کی پتنگیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں ۔کبوتر بازی کی طرف رُخ کیا تو نہ جانے کن کن ناموں کے کبوتر پرواز کرنے لگے ۔محرم کی طرف دھیان گیا تو قسم قسم کے تعزیوں کا جلوس نکلنے لگا ۔غرض کہ 'فسانۂ آزاد' کی فرہنگ اور اس کے عمرانی لسانیاتی مطالعہ سے نہ صرف سرشار کے عہد کی زبان اور بولیوں کا پتہ چلے گا بلکہ اودھ کی سماجی، تہذیبی اور تمدنی زندگی کے گوشے بھی نمایاں ہوں گے ۔'' صفحہ 13-12

ڈاکٹر شریف احمد قریشی نے 'فسانۂ آزاد' کی فرہنگ مرتّب کر کے بے شبہ ایک اہم کارنامہ انجام دیا ہے ۔

انشاء اللہ خاں انشآء کی طبع زاد داستان 'رانی کیتکی کی کہانی' بہ اعتبار زبان و تاریخ اور معاشرت وثقافت نہایت اہمیت کی حامل ہے ۔ یہ کتاب ہندوستانی تہذیب وثقافت کا نہ صرف گراں قدر سرمایہ ہے بلکہ تقریباً دوسو سال قبل کے ہندوستانی کلچر کو سمجھنے کا بہترین ذریعہ بھی ہے ۔جس کا اظہار ڈاکٹر قریشی نے مذکورہ فرہنگ کے صفحہ 13 پر اس طرح کیا ہے :

''انشاء اللہ خاں انشآء نے اس کہانی میں جن الفاظ ومحاورات، تشبیہات واستعارات وغیرہ کا استعمال کیا ہے اُن کی محض لُغوی قدر و قیمت نہیں ۔اس اعتبار سے تو وہ صرف لغات کے نگارخانے میں مخزون ہو کر رہ جائیں گے لیکن جب ہم اُن کا مطالعہ عمرانی لسانیات کے دائرے میں کرتے ہیں تو اُن کے ذریعہ انشاء اللہ خاں انشآء کے عہد کے ہندوستانی سماج کی تہذیب ومعاشرت کی بھرپور عکاسی ہوتی ہے اور کہانی میں استعمال کیے گئے الفاظ کے معانی، مفاہیم اور معنویت کا احساس ہوتا ہے ۔شادی، بیاہ، جشن وجلوس، سیر وشکار، ہجر ووصل، جادو، ٹونا ٹوٹکا وغیرہ کرنے کے موقعوں پر جو الفاظ لائے گئے ہیں وہ ایک دوسرے سے مل کر اپنے عہد کی تہذیبی ومعاشرتی خصوصیت کو نمایاں کر کے اپنی معنویت کا احساس دلا رہے ہیں ۔''

دراصل انشاء اللہ خاں انشآء نے اُردو زبان وادب کو آسان و عام فہم بنانے اور عوام سے قریب کرنے کے لیے فارسی، عربی، تُرکی وغیرہ کے الفاظ سے اجتناب برتتے ہوئے اس داستان کو ٹھیٹ ہندی بھاشا میں لکھا ہے ۔اس داستان کے تمام کردار ہندو اور پلاٹ ہندو دیومالائی قصص سے بھرا پڑا ہے ۔یہ داستان تقریباً دوسو سال پہلے لکھی گئی تھی ۔اس لیے اُس دَور میں مستعمل اور اس داستان میں شامل الفاظ واصطلاحات کو عہد حاضر میں فرہنگ کی مدد کے بغیر کسی حد تک سمجھنا محال ہے ۔ ڈاکٹر قریشی نے 'رانی کیتکی کی کہانی کی فرہنگ' مرتّب کر کے اُردو زبان کے الفاظ کے خزانے میں بے شبہ اضافہ کیا ہے ۔

'کہاوتیں اور ان کا حکایتی وتلمیحی پس منظر' ڈاکٹر قریشی کی ایک گراں قدر کتاب ہے جس میں پانچ سو سے زائد کہاوتوں کو ان کے حکایتی پس منظر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ۔اس کتاب سے متعلّق زیادہ کچھ نہ لکھ کر ڈاکٹر صابر سنبھلی کے درج ذیل تاثرات ہی کافی ہیں :

''جو لوگ زبان سے دل چسپی رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ محاوروں کے مقابلے میں کہاوتیں ہر زبان میں کم ہوتی ہیں ۔اس طرح کا زیادہ تو نہیں تھوڑا بہت کام مَیں نے بھی کیا ہے اور یہ تجربہ ہوا ہے کہ اگر کسی شاعر یا ادیب کے مستعمل یا کسی سماج میں بولے جانے والے محاوروں اور کہاوتوں کو یکجا کیا جائے یا اُن کی فہرست بنائی جائے تو پچاس ساٹھ محاوروں کے مقابلے میں اوسطاً دس کہاوتیں ہی نکل کر آتی ہیں ۔ایسی حالت میں ڈاکٹر شریف احمد قریشی کا پانچ سو کے قریب کہاوتیں جمع کر کے اُن کے حکایتی وتلمیحی پس منظر بیان کر دینا بڑی بات نہیں بلکہ ''بہت بڑی بات'' ہے ۔میرے عِلم کے مطابق اُردو میں کسی نے ایسا کام نہیں کیا ہے ۔''

ہندی بھاشا میں لکھی گئی ڈاکٹر قریشی کی ایک کتاب کا نام کہاوت کتھا کوش (कहावत कथा कोश) ہے جو مذکورہ کتاب 'کہاوتیں اور ان کا حکایتی وتلمیحی پس منظر' سے ترجمہ کے ذریعہ دیوناگری کے روپ میں ڈھالی گئی ہے ۔

کہاوتوں سے متعلّق ڈاکٹر قریشی ایک اہم کتاب کا نام 'کہاوت اور حکایت' ہے جو ایک ہزار سے زائد ایسی کہاوتوں کا مجموعہ ہے جس میں کہاوتوں کے پس منظر بھی درج کیے گئے ہیں ۔اس میں ان کہاوتوں کی بھی شمولیت ہے جو 'کہاوتیں اور ان کا حکایتی وتلمیحی پس منظر' میں شامل ہیں ۔کہاوتوں اور اُن کے پس منظر کی جمع آوری کے محرّکات کو ڈاکٹر قریشی نے اس کتاب کے پیش لفظ میں اس طرح بیان کیا ہے :

''قصوں اور کہانیوں کے کہنے اور سننے کا دور ختم سا ہو گیا ہے اب نہ قصے کہنے والے ہیں اور نہ سننے والے اگر چہ قصے کہانیوں کے بعض شوقین حضرات پُرانے شہروں، قصبوں اور گاؤں میں اب بھی موجود ہیں مگر ان کی تعداد کتنی ہے؟ نئی نسل کو قصوں، کہانیوں اور حکایتوں کا شوق کہاں؟ موجودہ

دور میں اسکولوں اور کالجوں کے نصاب میں اخلاقی تعلیم اور سبق آموز حکایات مفقود ہوتی جا رہی ہیں جن کے بطن سے بیشتر کہاوتوں کا وجود ہوا۔ بہت سی غیر فرہنگی کہاوتیں اور ان سے متعلق حکایات بزرگوں کے ذریعہ سینہ بہ سینہ ہم کو میسر ہوئی ہیں جیسے جیسے ہمارے یہ بزرگ اور زباں داں حضرات دنیا سے رخصت ہوتے جا رہے ہیں ویسے ویسے کہاوتوں اور ضرب الامثال کا چلن بھی کم ہوتا جا رہا ہے۔''

ڈاکٹر شریف احمد قریشی کے ڈی۔ لٹ۔ ڈگری کے مقالہ کا عنوان 'اُردو کہاوتوں کی جامع فرہنگ' ہے جس میں کئی ہزار کہاوتوں کو اُن کے معانی و مفاہیم کے ساتھ یکجا کیا گیا ہے۔ قصہ طلب کہاوتوں کے قصوں کو بھی درجِ فرہنگ کیا گیا ہے۔ یہ غیر مطبوعہ مقالہ A4 سائز کے 1498 صفحات پر محیط ہے۔ ایک اندازہ کے مطابق اس میں 28 ہزار سے زائد کہاوتوں اور ضرب الامثال کی شمولیت ہے اس میں فارسی عربی، ہندی وغیرہ کی اُن کہاوتوں کو شامل کیا گیا ہے جو اکثر و بیشتر تحریر و تقریر میں استعمال کی جاتی ہیں۔ اس مقالہ کے ابتدائی 64 صفحات اس لیے نہایت اہم ہیں کہ اُردو میں لغت نویسی اور فرہنگ سازی کی مختصر روایت، محاورات، کہاوتوں اور ضرب الامثال سے متعلق مواد، وضعِ اصطلاحات، ضرب الامثال، کہاوت، شعری ضرب الامثال وغیرہ کو آسان زبان میں واضح کیا گیا ہے۔

'فن اور فنکار' کے بعد 'فن اور فنکاری' کے عنوان سے ایک اور مجموعۂ مضامین زیرِ اشاعت ہے۔ اس مجموعہ میں بھی اُن قلم کاروں کی ادبی و علمی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے جن کا تعلق رام پور سے نہیں ہے۔

رام پور کے ادباء و شعراء سے متعلق اُن کی ایک کتاب بعنوان 'رام پور کے چند قلم کار' (حصہ اوّل) 2016ء میں منظرِ عام پر آچکی ہے۔ اس کتاب کو ان کی دختر نیک اختر شاذیہ زرّیں نے مرتّب کیا ہے۔ اس کتاب کے وجود میں آنے کا سبب وہ عرضِ مرتبہ کے عنوان سے اس طرح بیان کرتی ہیں :

''رام پور کے چند قلم کار (حصہ اوّل) میرے ابو ڈاکٹر شریف احمد قریشی کے اُن منتخب مضامین کا مجموعہ ہے جو اُنھوں نے وقتاً فوقتاً رام پور سے متعلق قلم کاروں کی شخصیت اور فن سے متعلق لکھے ہیں۔ ان میں سے کچھ مضامین قلم کاروں یا اُن کے احباب و متعلقین کی فرمائش پر سپردِ صفحۂ قرطاس کیے گئے ہیں، کچھ مضامین مجموعوں کے مقدمات اور کتابوں کی تقریظات کے لیے تحریر کیے گئے ہیں، بعض مضامین کسی رسالہ کے خاص نمبر، سیمینار، ادبی تقریب یا کسی کتاب کی رسمِ اجراء کے موقع پر پیش کرنے یا پڑھنے کے لیے لکھے گئے ہیں۔ کچھ مضامین کرایے کے ہیں یعنی آل انڈیا ریڈیو نے معاضہ دے کر تحریر کرائے ہیں جنھیں نشر ہونے کے بعد وسعت دے کر مضامین کے سانچے میں ڈھال دیا گیا ہے۔''

اس کتاب میں رام پور سے متعلق 25 قلم کاروں کی حیات اور فکر و فن پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے۔ 'رام پور میں اُردو افسانہ' ہی کی طرح اس مجموعہ میں بھی قلم کاروں کی جگہ کا تعیّن تاریخِ ولادت کی زمانی ترتیب کے اعتبار سے کیا گیا ہے۔ بہ اعتبارِ ترتیب مضامین کے عنوانات درج ذیل ہیں :

- مولانا محمد علی جوہرؔ کا تنقیدی شعور (خطوطِ جوہرؔ کی روشنی میں)
- محمد علی خاں اثرؔ 'لالہ زارِ سخن' کے آئینے میں
- خوب صورت لب و لہجہ کا شاعر : صابرؔ رام پوری
- ایک ناشاد شاعر شادؔ عارفی
- مولانا امتیاز علی خاں عرشیؔ : بحیثیت ایک شاعر
- رازؔ یزدانی : فکر و فن کے آئینے میں
- عروجؔ زیدی اور اُن کی غزلیہ شاعری
- قدرتؔ رام پوری اور اُن کی ایک نادر موضوعاتی فرہنگ 'محاوراتِ بیگمات'
- درویش صفت شاعر موتی میاں ثروتؔ قادری
- آفتاب شمسی ''کل، آج اور مَیں'' کے آئینے میں
- ایک عہد آفریں شاعر ڈاکٹر شوقؔ اثری

- ہوشؔ نعمانی: شخصیت اور شاعری
- خیالؔ رام پوری: ایک دیدہ ور شاعر
- محمد یعقوب خاں مہرؔ رام پوری ’حُسنِ تصوّر‘ اور ’گلبانگِ حرا‘ کے آئینے میں
- دارالسرور کی ایک خاتون افسانہ نگار خلیق النساء
- ڈاکٹر ظہیر علی صدیقی اور اُن کی نگارشات
- اظہرؔ عنایتی اور اُن کی انفرادیت
- ایک گوشہ نشیں شاعر: کوثرؔ رام پوری
- عتیق جیلانی سالکؔ : ایک ہمہ جہت شخصیت
- حق و صداقت کا علم بردار شاعر عتیق آفریدی
- دبستانِ رام پور کا ایک ممتاز و نمائندہ شاعر: س ش عالمؔ
- فرحان سالمؔ کے شعری امتیازات
- چہار بیت کی روایت کا علم بردار: سلیم خاورؔ
- ڈاکٹر محمد اطہر مسعود خاں: شخصیت اور فن
- صحت مند افسانوی ادب اور انجم بہار شمسی

اس مجموعہ میں فہرست کے بعد 4 صفحات پر 25 میں سے 23 قلم کاروں کی تصاویر کے ساتھ مرتّبہ شاذیہ زرّیں ، کتاب کی محرّک ساجدہ قریشی صاحبہ اور ڈاکٹر شریف احمد قریشی کی تصاویر بھی شائع کی گئی ہیں۔ قدرتؔ رام پوری کی تصویر دستیاب نہ ہونے اور تصویر کی اشاعت کو مستحسن نہ سمجھنے کے سبب انجم بہار شمسی کی تصاویر شائع نہیں کی گئی ہیں۔ کتاب کے گرد پوش پر رام پور کے 36 اہم اور تاریخی مقامات کی رنگین اور دیدہ زیب تصاویر شائع کی گئی ہیں جن میں سے رام پور رضا لائبریری، محمد علی جوہر یونیورسٹی، تعلیمی اداروں، مساجد، مزارات، گاندھی سمادھی، نگر پالیکا کی عمارت، بس اسٹینڈ، ریلوے اسٹیشن، آثارِ قدیمہ سے متعلق عمارات، نوتعمیر دروازوں اور اُن دروازوں کی بھی تصاویر ہیں جنہیں مسمار کر دیا گیا ہے۔

اس کتاب کا حصۂ دوم بھی بہت جلد منظرِ عام پر آنے والا ہے جسے ڈاکٹر قریشی کے فرزند شہپر شریف مرتّب کر رہے ہیں۔ رام پور کے فنکاروں سے لگاؤ کا ثبوت ڈاکٹر شریف احمد قریشی کی ایک تحقیق کتاب ’باقیاتِ کلامِ صابرؔ رام پوری‘ ہے۔ اس کتاب کی ضخامت اگر چہ 64/صفحات ہے مگر یہ اپنے آپ میں اس لیے نہایت اہم ہے کہ اس میں رام پور کے ایک کہنہ مشق شاعر مُنّے میاں صابرؔ رام پوری کا گُم شدہ کلام دریافت کر کے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ صابرؔ رام پوری کے مجموعۂ کلام ’کلامِ صابرؔ‘ کو دیکھ کر ڈاکٹر قریشی سوچا کرتے تھے کہ ایک اُستاد شاعر کا کلام متذکرہ مجموعے میں شامل کلام سے زیادہ ہونا چاہئے تھا۔ اسی تگ و دو اور کلام کی دریافت میں ایک عرصہ گزر گیا۔ ضرب المثل ’جوئندہ یابندہ‘ صحیح ثابت ہوئی اور انہیں ایک روز شاعرِ موصوف کا کچھ کلام دستیاب ہو ہی گیا جس کی کہانی خود ڈاکٹر قریشی کی زبانی ملاحظہ فرمائیے :

> ”محمد یعقوب خاں مہرؔ رام پوری ایک روز میرے غریب خانہ میں تشریف لائے اور دورانِ گفتگو انہوں نے یہ انکشاف کیا کہ اُن کی تحویل میں منّے میاں صابرؔ کی ایک قلمی بیاض بھی ہے۔ مَیں نے موصوف سے اس بیاض کو دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا تو انہوں نے فراخ دلی کا ثبوت دیتے ہوئے تقریباً دس بارہ دن کے بعد وہ بیاض میرے حوالے کر دی۔ بیاض پر نظر پڑتے ہی میری کیا کیفیت ہوئی ہوگی اسے اہلِ ذوق و اہلِ نظر ہی سمجھ سکتے ہیں۔ بیاض کا کوئی بھی صفحہ ثابت و سالم نہیں تھا۔ دیمک کے تبصروں، تشریحات اور تجزیات نے اشعار کا وہ حال بنا رکھا تھا کہ الحفیظ والاماں۔ بیاض کی ورق گردانی تو دور کی بات تمام احتیاط کے باوجود بھی کسی صفحہ کو پلٹنا محال تھا۔ جیسے تیسے کمالِ احتیاط کے ساتھ بیاض کے تمام صفحات کی

فوٹو کاپیاں کرائیں اور اسے اس طرح بڑی حد تک محفوظ کرنے کی کوشش کی۔'' صفحہ 9

ادبِ اطفال سے متعلّق ڈاکٹر شریف احمد قریشی کی ایک کتاب کا نام 'چراغ تلے اندھیرا' ہے جس میں بچّوں کی نفسیات و دلچسپی کا خیال رکھتے ہوئے 72 کہاوتوں کو اُن کے مفاہیم اور متعلقہ قصّوں کے پس منظر کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔ ہر کہاوت کی کہانی کے مفہوم کو اسکیچ (Sketch) کے ذریعہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کتاب کو ہندی بھاشا یعنی دیوناگری لپی میں 'ٹیڑھی کھیر' کے عنوان سے منظرِ عام پر لایا گیا ہے۔ اس طرح ڈاکٹر قریشی نے اُردو داں اور ہندی داں بچّوں کے لیے بھی قابلِ ستائش کام کیا ہے۔

رام پور کے فنکاروں سے متعلّق اُن کی کئی کتب زیرِ ترتیب ہیں جن میں سے 'رام پور میں اُردو چہار بیت' اور 'قمر رام پوری اور اُن کا کلام' نہایت اہم ہیں۔ رام پور کے فنکاروں سے متعلّق ڈاکٹر قریشی کی نگارشات سے واضح ہے کہ انہیں اہالیانِ رام پور سے بے پناہ لگاؤ ہے اور اُن کی رگ و پے میں رام پوریت پوری طرح سرایت کر گئی ہے۔

مَیں نے اس مضمون میں ڈاکٹر شریف احمد قریشی کی شخصیت کے چند پہلوؤں اور ان کی ادبی و علمی خدمات پر کچھ روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ ضرورت ہے کہ اُن کے تمام کاموں کا گہرائی و گیرائی سے جائزہ لے کر اُن کی علمی و ادبی خدمات کا تعیّن کیا جائے۔ مَیں آخر میں یہی عرض کروں گی کہ اُن کے کاموں کا بہ غائر نظر جائزہ لینے کے باوجود اُن کی شخصیت و خدمات کا کوئی نہ کوئی گوشہ تشنہ ہی رہے گا۔ اسی لیے شاید اُن کا یہ کہنا حق بجانب ہے کہ۔

دُنیا نے لاکھ بار کھنگالا ہمیں مگر
اب تک کسی پہ ہو نہ سکے آشکار ہم

❋